© rasailojaraid.com

مِلاكُ التأوِيل (۱۲)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی

تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورةُ النِّساء

(۷۴) آیات ۱۳۰ تا ۱۳۲:

﴿وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ۝۱۳۰ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ۝۱۳۱ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝۱۳۲﴾

’’اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا‘ اور اللہ وسعت والا‘ حکمت والا ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے‘ اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تمہیں بھی اس بات کی وصیت کی ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اگر تم انکار کرو گے تو جان لو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے‘ اور اللہ بہت بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے‘ اور زمین میں ہے‘ اور کافی ہے اللہ کے لیے کہ وہ کارساز ہے۔‘‘

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں آیات کے اختتامیہ میں اختلاف کیوں ہے؟

پہلی آیت کے آخر میں کہا گیا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ۝۱۳۰﴾

دوسری آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ۝۱۳۱﴾

اور تیسری آیت میں کہا: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝۱۳۲﴾

دوسرا سوال یہ کہ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ﴾ کی تین مرتبہ تکرار کیوں کی گئی‘ حالانکہ ایک کلام دوسرے کلام سے متّصل ہے یعنی دونوں میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے؟

اب جواب ملاحظہ ہو۔ پہلی آیت میں زوجین کے درمیان نزاع کا ذکر ہے اور یہ کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ نہیں رہ سکتے‘ اس لیے ان دونوں کے حق میں فرمایا: ﴿وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سَعَتِهٖ ط﴾ ''اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا''۔ زمخشری کہتے ہیں ''یعنی اسے پہلے سے بہتر زوج عطا کرے گا اور پہلے سے زیادہ بابرکت معیشت عطا کرے گا''۔ اور جب یہ کہا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا'' تو یہاں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ وسعت اور حکمت کی طرف اشارہ کرنا نہایت مناسب تھا' یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا احسان بے پایاں ہے' ان کی معیشت کو بامراد برقرار رکھنے کے لیے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کو بطورِ کمال رزق' رہائش اور اسبابِ اُنسیت فراہم کرنے پر قادر ہے' اور صرف اللہ ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ ان کے پہلے قریب ہونے اور پھر جدا ہونے میں کیا حکمت ہے۔ اس لیے آخر میں فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝١٣٠﴾ یعنی دینے پر آتا ہے تو خوب دیتا ہے' احسان کرنے پر آتا ہے تو اس کی کوئی حد نہیں' اور وہی جانتا ہے کہ بندوں کے لیے کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

تو یہاں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جہاں ''ان کے جدا ہونے کے بعد اللہ انہیں اپنی وسعت سے دے گا'' کا تذکرہ ہے تو وہاں اس کے بعد اللہ کی وسعت اور حکمت کا تذکرہ انتہائی مناسب تھا۔ اور پھر یہ بھی مناسب تھا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت و دولت کی طرف اشارہ ہو جائے' اسی لیے آخر میں یہ بھی فرما دیا: ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط﴾۔

یہاں تک تو ایک خاص معاملے کی طرف اشارہ تھا۔ اس کے بعد عمومی طور پر اگلے پچھلے تمام لوگوں کی طرف کیے گئے احسان کو یاد دلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی کتابوں سے نواز کر ان پر ایک عظیم احسان کیا ہے اور انہیں تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت دے کر انہیں دردناک عذاب سے نجات دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے تقویٰ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کہ وہ ان سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ اگر وہ کفر کا راستہ بھی اختیار کریں تو اللہ کا کیا بگاڑ لیں گے' اللہ کے لیے تو وہ سب کچھ ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔ اور اس بات کو دوسری جگہوں پر بھی بیان کیا۔ فرمایا:

﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٨﴾ (ابراھیم)

''اور موسیٰؑ نے کہا: اگر تم اور جو بھی زمین میں ہے سب کے سب کفر کریں تو (جان لیں کہ) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور قابل تعریف ہے''۔

اور ارشاد فرمایا:

﴿فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦﴾ (التغابن)

''اور انہوں نے کفر کیا اور پیچھے ہٹ گئے اور اللہ نے بے نیازی دکھائی' اور اللہ بے نیاز ہے' قابل تعریف ہے۔''

گویا اس بات کا اظہار ہو گیا کہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے' اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے' وہ اللہ کے ارادے اور مشیت سے باہر نہیں جا سکتے۔ وہ سب اُس کی مٹھی میں ہیں' وہ جو چاہتا ہے ان کے ساتھ کرتا ہے اور ان سے بھی وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے' اس لیے کہ وہ غنی ہے' حمید ہے۔ اور اسی بات کی تائید ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ سے کردی گئی۔

آخر میں ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا﴾ یعنی اللہ ہی کارساز ہے' فرمایا اور تاکیداً یہاں بھی ﴿لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ کا اعادہ کردیا تاکہ معلوم رہے کہ وہی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے' وہ اکیلا ہی ان کا مدبر ہے' وہی ان سب کو سنبھالنے والا ہے۔ اگر وہ زائل ہو جائیں تو کوئی دوسرا انہیں سنبھال نہیں سکتا۔ اور یوں ان آیات کا اختتام انتہائی مناسب طریقے سے کیا گیا۔ واللہ اعلم!

(۷۵) آیت ۱۳۵:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ﴾

''اے ایمان والو! عدل وانصاف پر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کی رضا کی خاطر گواہ بن جاؤ۔''

اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں ارشاد فرمایا:

﴿کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ﴾

''اور تم اللہ کی خاطر کھڑے ہو جاؤ اور عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دو۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''بِالۡقِسۡطِ'' کا لفظ سورۃ النساء کی آیت میں پہلے اور سورۃ المائدۃ کی آیت میں بعد میں لایا گیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت سے قبل وہ چند آیات ہیں جن میں عدل وانصاف (قِسۡط) کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ﴾ (آیت ۱۲۳) ''جو بدی کرتا ہے' وہ اس کی جزا پائے گا۔''

پھر فرمایا:

﴿وَیَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی النِّسَآءِ﴾ (آیت ۱۲۷) ''وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔''

اور اس ضمن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ﴾ (آیت ۱۲۷) ''اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف کرو۔''

اور پھر یہی مضمون اس سے اگلی آیات میں بھی بیان ہوا تو اس وجہ سے ''بِالۡقِسۡطِ'' کا پہلے لانا مناسب تھا۔ لیکن سورۃ المائدۃ کی آیت سے قبل طہارت کا حکم ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور عہد کی پابندی کا حکم دیا ہے' تقویٰ کی ہدایت کی ہے' اس لیے وہاں ﴿کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ﴾ کہنا زیادہ مناسب تھا اور اس کے بعد انصاف پر مبنی گواہی کا تذکرہ نہایت معقول تھا۔

یعنی دونوں آیات کے ماسبق کا اگر لحاظ رکھا جائے تو یہ مضمون واضح ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

(۷۶) آیت ۱۳۷:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا' پھر ایمان لائے اور پھر کفر کیا' اور پھر اپنے کفر میں بڑھتے گئے' اللہ نہ ان کی مغفرت کرے گا اور نہ ہی انہیں راہِ راست پر لائے گا۔''

اور پھر اسی سورت کی آیت ۱۶۸۔۱۶۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ﴾

''بے شک جن لوگوں نے کفر اور ظلم کا ارتکاب کیا' اللہ نہ ہی انہیں معاف کرے گا اور نہ ہی انہیں سوائے جہنم کی راہ کے' کسی راہ کی طرف ہدایت دے گا۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے کفر کیا' کفر میں بڑھتے گئے' اور پھر ان کی ایک جیسی جزا کا بھی ذکر ہوا کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی اور نہ ہی انہیں راہِ ہدایت نصیب ہوگی' لیکن راہِ ہدایت کے لیے پہلی آیت میں لفظ ''سبیل'' لایا گیا جب کہ دوسری آیت میں لفظ ''طریق'' لایا گیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ گو دونوں الفاظ اپنے معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں' لیکن دونوں میں ایک واضح فرق ہے اور وہ یہ کہ لفظ ''سبیل'' کے معنی میں وہ توسع اور عموم پایا جاتا ہے جو لفظ ''طریق'' میں نہیں پایا جاتا۔ اسی لیے کتابِ عزیز کے ربع اوّل (یعنی سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الانعام تک) میں ''سبیل'' کا لفظ پچاس سے زیادہ دفعہ آیا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں ۱۴ جگہ۔

سب سے پہلے آیت ۱۰۸ میں:

﴿وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾﴾

''اور جو ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کرتا ہے وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔''

اور سب سے آخر میں آیت ۲۷۳ میں:

﴿لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾

''ان فقراء کے لیے جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے۔''

سورۂ آل عمران میں ۷ جگہ' سورۃ النساء میں ۱۶ جگہ' سورۃ المائدۃ اور سورۃ الانعام میں ۶ جگہ۔ اور جہاں تک لفظ ''طریق'' کا تعلق ہے تو وہ سارے قرآن میں صرف چار جگہ وارد ہوا ہے۔ پھر ''سبیل'' کا لفظ زیادہ تر خیر و سلامتی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ کہیں صاف صاف اور کہیں بطور اشارہ' لیکن لفظ ''طریق'' سے خیر و سلامتی اسی وقت مراد ہوتی ہے جب اس کے ساتھ خیر و سلامتی کا ذکر بطور وصف یا اضافت ہو' جیسے سورۃ الاحقاف میں ارشاد فرمایا:

﴿یَہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیۡقٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۳۰﴾﴾

''وہ حق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستے کی طرف۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب غور فرمائیے کہ پہلی آیت میں ان لوگوں پر شدید نکیر کی گئی ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا‘ پھر ایمان لائے اور پھر کفر کیا اور پھر کفر میں بڑھتے گئے۔ ان لوگوں کا حال ان لوگوں سے مختلف ہے جو شروع ہی سے کافر رہے اور وہ کبھی ایمان نہ لائے تھے۔

اسی قسم کی دوسری آیت سورۃ النحل کی ہے جہاں ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾﴾

’’جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کا مرتکب ہوتا ہے اِلا یہ کہ اسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر اطمینان رکھتا ہو‘ مگر جو کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور بہت بڑا عذاب ہے۔‘‘

اور اگلی آیت میں ان کا یہ جرم بھی بیان ہوا کہ آخرت پر ایمان لانے کے بعد انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی‘ تو یہ وہ لوگ ہیں جو علم کے حاصل ہو جانے کے بعد گمراہی میں پڑ جاتے ہیں اور یہی لوگ بدترین لوگ ہیں۔ اور جہاں تک دوسرے گروہ کفار کا تعلق ہے جن کا تذکرہ دوسری آیت میں کیا گیا تو وہ پہلے گروہ سے اپنی گمراہی اور قباحت جرم میں کم ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ جو علم کے باوجود کفر کا راستہ اختیار کرتے ہیں‘ ایمان لا کر کفر کے مرتکب ہوتے ہیں وہ ان لوگوں سے کہیں بڑے مجرم ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ جس میں گناہ اور کفر دونوں شامل ہیں‘ لیکن بار بار ایمان لا کر کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ اسی اعتبار سے پہلے گروہ کے لیے ہر طرح کی راہ (سبیل) بند کیے جانے کا عندیہ دیا گیا اور دوسرے گروہ کے لیے وہ لفظ (یعنی طریق) استعمال کیا گیا جس میں سبیل کے مقابلے میں عمومیت کم پائی جاتی ہے‘ اور اس طرح ہر دو الفاظ کا استعمال اپنی اپنی جگہ پر بالکل مناسب دکھائی دیتا ہے اور اگر اس کا الٹ کیا جاتا تو قطعاً غیر مناسب ہوتا‘ واللہ اعلم!

(۷۷) آیت ۱۴۹:

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾﴾

’’اگر تم کسی نیکی کے کام کو ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کرو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور پوری قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘

اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۴ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٥٤﴾﴾

’’اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو جان لو کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔‘‘

یہاں تین سوال پیدا ہوتے ہیں:

(۱) سورۃ النساء میں ’’اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا‘‘ جبکہ سورۃ الاحزاب میں ’’اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا‘‘ کہا۔

(۲) دونوں آیتوں کے جوابِ شرط میں اختلاف کیوں ہے؟ پہلی میں کہا گیا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾﴾ اور دوسری میں کہا گیا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٥٤﴾﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) پہلی آیت میں ﴿اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ﴾ کا اضافہ ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ﴾ سورۃ النساء کے عمومی مضامین کے مطابق ہے جس میں مختلف خیر کے کاموں پر ابھارا گیا ہے' آپس کے جھگڑوں کو چکانے' معاف کرنے' برائیوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ وراثت کی تقسیم کے وقت ورثاء کو ان حاجت مندوں اور قرابت داروں کے بارے میں وصیت کی گئی جو اس وقت حاضر ہو چکے ہوں۔ فرمایا:

﴿فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۸﴾ (النساء)

''تو انہیں اس میں سے کچھ دے دلا دو اور ان سے اچھی طرح مخاطب ہو۔''

وہ دو لوگ جو بدکاری کے مرتکب ہوئے ہوں' ان کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاِنۡ تَابَا وَاَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَا ؕ﴾ (النساء:١٦)

''پس اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔''

عورتوں سے حسن سلوک کا حکم دیا:

﴿وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ﴾ (النساء:١٩)

''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ رہو۔''

پھر فرمایا:

﴿فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ﴾ (النساء:٣٤)

''پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔''

منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ۝۶۳﴾ (النساء)

''تو ان سے چشم پوشی کیجیے' انہیں نصیحت کیجیے اور انہیں وہ بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔''

بیویوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۱۲۹﴾ (النساء)

''اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔''

اور اس طرح کے بے شمار دوسرے احکامات ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا' اور جس کثرت سے یہ احکام اس سورت میں آئے ہیں دوسری کسی سورت میں نہیں آئے' اسی لیے اس سورت میں طلاق کے احکام نہیں دیے گئے' حالانکہ اس سورت کا اساسی موضوع عورتوں ہی کے بارے میں ہے۔ زیادہ تر وہی احکام دیے گئے جن میں تالیف قلب اور اصلاح کا پہلو سرفہرست ہے۔

طلاق کے ضمن میں صرف اتنا کہا گیا: ﴿وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ﴾ (النساء:١٣٠) ''اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا''۔ یہاں بھی وہ انداز اختیار کیا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں انسیت کا اظہار ہے اور مختصر الفاظ میں جدائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں نہ لعان کا ذکر ہے' نہ ظہار یا خلع یا تین طلاقوں کا' بلکہ حسن معاشرت کا اور وراثت کے احکامات کا بیان ہے۔ اور سورت کے اسی موضوع کے اعتبار سے مناسب تھا کہ اس میں بھلائی کے مختلف راستوں کا ذکر ہوتا اور اگر بھلائی کی ضد کا بھی تذکرہ ہوتا تو معافی کے ذکر کے ساتھ مشروط ہوتا۔ اسی لیے متذکرہ آیت میں معاف کرنے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا:

﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا خَيۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ﴾

ملاحظہ فرمائیں کہ سورۃ البقرۃ میں بھی جہاں عورتوں کے احکامات بیان ہوئے ہیں وہاں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَنۡ تَعۡفُوۡٓا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾ (آیت ۲۳۷)

''اور اگر تم معاف کرو تو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

جہاں تک سورۃ الاحزاب کی آیت کا تعلق ہے تو یہاں خیر وشر دونوں مراد ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس سورت میں کیا کیا باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا﴾ (آیت ۵۳)

''اور تمہارے لیے روا نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ ہی ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔''

اس سے قبل منافقین کی بدعملی کی طرف بار بار اشارہ کیا گیا' مثلاً ان کا کہنا: ﴿مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲﴾﴾ ''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا وہ صرف دھوکہ تھا''۔ اور پھر جنگ سے بھاگنے کے لیے یہ عذرِ لنگ پیش کیا: ﴿اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ﴾ (آیت ۱۳) ''ہمارے گھر تو یقیناً بالکل کھلے (یعنی غیر محفوظ) ہیں''۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کو واشگاف کیا' ان کی کارگزاریوں سے اہل ایمان کو خبردار کیا' انہیں بتایا کہ اللہ پر کوئی بات مخفی نہیں ہے' چاہے کوئی چھپائے یا ظاہر کرے' اور اسی بات کو یوں ارشاد فرمایا: ﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـئًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ﴾ یہاں ''شَيۡـئًا'' کہہ کر اس لفظ سے خیر وشر دونوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ لفظ ''شیئ'' کا اطلاق ہر چیز پر ہوتا ہے چاہے وہ محسوس کی جا سکتی ہو یا صرف معنوی حیثیت رکھتی ہو' بلکہ بعض متکلمین کے نزدیک تو اس کا اطلاق معدوم چیز پر بھی ہو سکتا ہے اگر اس کا وجود فرض کر لیا جائے۔

[نوٹ: ابوالحسنین الخیاط معتزلی کے ماننے والوں کو معدومیہ کہا جاتا ہے' ان کا اعتقاد ہے کہ معدوم بھی ایک شئے ہے اور ہر وہ چیز جس کا علم دیا جا سکے یا اس کی خبر دی جا سکے اسے شئے کہا جائے گا۔ معتزلہ میں سے انہی لوگوں کو خیاطیہ یا معدومیہ کہا جاتا ہے۔ یہ دوسرا نام انہیں اس لیے دیا گیا کہ یہ لوگ موجود صفات سے زیادہ معدوم صفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔]

ہم خود تو اس بات کے قائل نہیں ہیں لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس لفظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ یہاں جس مخفی چیز کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے وہ دل کا عمل ہے جو اپنی جگہ موجود ہے اور جس میں خیر وشر دونوں داخل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے مقابلے میں سورۃ النساء کی آیت میں ''خیر'' کا لفظ ہے جس کی مناسبت ہم اچھی طرح واضح کر چکے ہیں' اس لیے ہر دو آیت میں جو لفظ وارد ہوا ہے وہ اپنی اپنی جگہ بالکل مناسب ہے اور اس کا عکس کیا جانا ناممکن ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں جوابِ شرط موقع ومحل کے مطابق لایا گیا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں ﴿اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ کے جواب میں کہا گیا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ اور سورۃ النساء میں چونکہ ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ کا تذکرہ تھا تو جواباً ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ کہا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی طرف اشارہ ہو گیا کہ گو وہ انتقام لینے پر قادر ہے' پکڑنے پر آئے تو پکڑ سکتا ہے پھر بھی برائی کرنے والے کو معاف کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ فاطر میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (آیت ۴۵)

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کیے کرائے پر پکڑنے پر آتا تو زمین کے اوپر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔''

یہاں ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے اور اس عمل پر ثواب عطا کرتا ہے۔

اب یہاں تک تو پہلے دونوں سوالوں کا جواب ہو گیا۔ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ کا اضافہ اس آیت کے مضمون کو درجہ کمال تک پہنچا دیتا ہے کہ معاف کرنا اور درگزر کرنا نیکیوں میں ایک اعلیٰ اور ارفع مقام رکھتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بھی اس بات کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۳) ''تو انہیں معاف کرو اور درگزر کرو۔''

اس آیت میں بھی اور کئی دوسری آیات میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ دونوں آیتوں کا مضمون اپنی اپنی جگہ پوری پوری مناسبت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم!

سُورَةُ المَائِدَة

(۷۸) آیت ۱:

﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ ''تمہارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے۔''

اور سورۃ الحج کی آیت ۳۰ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ﴾ ''اور تمہارے لیے مویشی حلال کیے گئے۔''

ان دونوں آیات میں اول تو ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ﴾ لیکن سورۃ المائدۃ کی آیت میں ''بَهِيْمَة'' کا اضافہ ہے' جو کہ سورۃ الحج کی آیت میں وارد نہیں ہوا ہے' تو اس کی کیا وجہ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ دونوں آیات کا مقصود مختلف ہے اور اس بات کی تفصیل یوں ہے کہ ''الانعام'' کا لفظ سورۃ الانعام کے مطابق آٹھ مویشیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے' جو کہ اس سورت کی آیت ۱۴۳ میں بیان کی گئیں' فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ﴾

''آٹھ جوڑے، بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم (یعنی نر اور مادہ)۔''

اور پھر اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ﴾

''اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم۔''

یہ جانور ویسے تو چار ہیں لیکن نر اور مادہ کے اعتبار سے آٹھ ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے قبل آیت میں قد کے اعتبار سے ''حَمُوْلَةً'' (بار برداری والے جانور) اور ''فَرْشًا'' (یعنی زمین سے لگے جانور جیسے بھیڑ بکری) کی تقسیم بھی بتائی گئی۔ اور پھر سورۃ النحل کی آیت ۶۶ میں انہی مویشیوں سے حاصل کردہ دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾﴾

''اور تمہارے لیے تو چوپایوں میں بھی بڑی عبرت ہے۔ ہم تمہیں وہ خالص اور پینے والوں کے لیے قابلِ ہضم دودھ پلاتے ہیں جو ان کے پیٹ میں ہوتا ہے لیکن وہ گوبر اور خون کے درمیان میں سے نکلتا ہے۔''

یہاں جس دودھ کا بطورِ نعمت تذکرہ کیا جا رہا ہے، وہ انہی چار مویشیوں سے نکلنے والا دودھ ہے نہ کہ ان جنگلی جانوروں کا، جن کا دودھ اصولاً تو حلال ہے لیکن وہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ گو اَنْعَام کا لفظ جنگلی جانوروں پر بھی صادق آتا ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ امام ھروی (عبداللہ بن محمد ابواسماعیل الانصاری، ف ۴۸۱ھ) کہتے ہیں: ''اَنْعَام کا اطلاق اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری پر ہوتا ہے جنہیں آٹھ جوڑوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔''

اب یہ بات بھی علم میں رہنی چاہیے کہ حاجی اگر احرام کی حالت میں ہو تو اس پر جنگلی جانوروں کا شکار حرام ہے۔ فرمایا:

﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ﴾ (المائدۃ:۹۶)

''اور جب تک تم حالتِ احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام ہے۔''

اب ملاحظہ ہو کہ سورۃ الحج میں حج سے متعلق احکامات بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾﴾

''پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنی نذریں پوری کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔''

اور پھر حرمت والی چیزوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیا:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ﴾ (آیت ۳۰)

''اور جو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی مقدس چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ بات اللہ کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے۔''

اور پھر آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ حاجی کے لیے حالتِ احرام میں کون سا کھانا حلال ہے۔ فرمایا: ﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْاَنْعَامُ﴾ ''اور تمہارے لیے مویشی حلال کیے گئے''۔ اور یہاں ''بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ'' کا تذکرہ مناسب نہیں تھا کہ جس کا ذکر سورۃ المائدۃ میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: ﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ کیونکہ 'بھیمۃ'' سے جنگلی جانوروں کی طرف اشارہ ہے۔

غزنوی کہتے ہیں: ''بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ وحشی جانوروں کو کہا جاتا ہے۔''

زمخشری نے اس لفظ کی تفسیر میں دو اقوال نقل کیے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف ہرن' نیل گائے اور اس قبیل کے جانور مراد ہیں۔

سورۃ المائدۃ میں اس لفظ کا خاص طور پر ذکر کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ المائدۃ آخر میں نازل ہونے والی سورت ہے' اور اس میں کئی احکامات کے بارے میں تکمیلی ہدایات نازل ہوئی ہیں' جیسے احکامات بابت وضوٗ' تیمّم' شکار کی تفصیلات' کھانے پینے کی اشیاء میں حرام چیزوں کا ذکر۔ اسی طرح بہت سے دوسرے احکامات بھی نازل ہوئے جو سب کے سب محکم ہیں اور ان میں سے کوئی منسوخ نہیں ہے۔ اور پھر اس میں اکمالِ دین کی بھی آیت ہے' فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ...... ﴾ (آیت ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا......''

اور یہی وجہ تھی کہ اس سورت میں ''بھیمۃ الانعام'' یعنی وحشی جانوروں کے حلال ہونے کا بھی ذکر کیا گیا' اور کسی دوسری سورت میں یہ ذکر نہیں آیا' اور اس سورت میں مردار' خون اور لحم خنزیر کی حرمت کا ذکر کرنے کے بعد ان حادثاتی محرمات کا بھی ذکر کیا جن سے وحشی چوپایوں کو زیادہ سابقہ پیش آتا ہے اور اسی لیے ان کا تذکیہ (باقاعدہ ذبح کیا جانا) پالتو جانوروں سے مختلف بھی ہوسکتا ہے۔ حادثاتی محرمات سے مراد یہ جانور ہیں:

﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ﴾ (آیت ۳)

''اور وہ جانور جو گلا گھٹ کر' یا چوٹ کھا کر یا اونچی جگہ سے گر کر یا سینگ کی ٹکر سے مرا ہو۔''

یہ دراصل تفصیل ہے اس امر کی جس کی طرف سورۃ المائدۃ کی پہلی ہی آیت میں اشارہ کیا گیا تھا: ﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ ''تمہارے لیے وحشی جانور حلال کیے گیے ماسوا ان کے جن کا بیان تم پر کیا جائے گا''۔ اسی لیے یہاں حالت احرام میں شکار کے حلال نہ ہونے کا ذکر بھی کر دیا گیا: ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ﴾ ''مگر حالت احرام میں شکار کو حلال مت سمجھنا''۔ اور پھر آیت ۹۶ میں صاف صاف حکم دے دیا: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ﴾ ''اور جب تک تم حالت احرام میں ہو تو تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا''۔ امید ہے کہ اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جو لفظ جہاں آیا ہے وہی مناسب تھا اور اگر اس کا الٹ ہوتا تو قطعاً مناسب نہ ہوتا۔ واللہ اعلم!

[نوٹ از مترجم: مصنف نے سورۃ الحج کی آیت ۲۸ کا ذکر نہیں کیا جہاں بھیمۃ الانعام کا ذکر موجود ہے'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان کا ذکر بطورِ اَنعام کیا گیا ہے' ان کی حلت کا بیان نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾

''(تا کہ وہ حج کے دنوں میں) کچھ فوائد حاصل کریں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں بطور رزق عطا کیے ہیں''۔ یہاں ہر صورت بھیمۃ سے پالتو جانور ہی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ جن کی قربانی کی جاتی ہے۔]

(۷۹) آیت ۲:

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾

''اور وہ تلاش کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور رضا جوئی۔''

اور سورۃ الفتح کی آیت ۲۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

''وہ تلاش کرتے ہیں اللہ کی طرف سے فضل اور رضا جوئی''

اور یہی الفاظ سورۃ الحشر کی آیت ۸ کے بھی ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخری دونوں آیات میں ''اللہ کا فضل'' مذکور ہے جبکہ سورۃ المائدۃ میں اس کی نسبت ''ربّ'' کی طرف کی گئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (واللہ اعلم) سورۃ المائدۃ کی آیت کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی ہے: تأنیس (مانوس کرنے کی کوشش)' تخویف (ڈرانا) اور استلطاف (مہربان ہونے کی طلب) —— ''مِنْ رَّبِّهِمْ'' کہہ کر ان تینوں معانی کا احاطہ مطلوب ہے' جیسا کہ ہم وضاحت کریں گے۔

دیکھئے' اگرچہ پہلی ہی آیت میں چند چیزوں سے منع کیا گیا ہے' اور جب کسی چیز سے منع کیا جاتا ہے تو مخاطب کے دل میں خوف کا پیدا ہونا قدرتی ہے' لیکن خطاب کا آغاز ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' سے کیا گیا ہے جس میں انسیت پائی جاتی ہے۔ اور پھر اس میں مزید انس پیدا ہو جاتا ہے جب انہی اہل ایمان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بیت الحرام کے قصد سے اپنے گھروں سے نکلے ہیں' اور پھر یہ انسیت کمال درجے کو پہنچ جاتی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب سے فضل و رضا مندی کے متلاشی ہیں' اور یہ معنی صرف ''مِنَ اللّٰهِ'' کہنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ بات بھی ملاحظہ ہو کہ قریب ترین شخص سے اگر تکلیف پہنچے تو وہ اس تکلیف سے کہیں بڑھ کر ہے جو کسی دور کے شخص سے پہنچے' بالکل ایسے ہی جیسے زنا کاری ایک برا فعل ہے' کبیرہ گناہ ہے' لیکن پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنے کی برائی بڑھ جاتی ہے' اور اسی طرح الحاد (نافرمانی کرنا) گناہ ہے لیکن بیت الحرام میں یہ الحاد کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اگر آپ قرآن کی آیات اور احادیث پاک پڑھیں تو اس کی بے شمار مثالیں ملتی جائیں گی۔

اب یہاں دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ''مِنْ رَّبِّهِمْ'' میں جہاں قربت' لطافت اور انسیت کا اظہار ہے وہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخاطب سے کسی ممنوع چیز کے ارتکاب کرنے میں ڈرانے کا عنصر بھی دکھائی دیتا ہے' تو واضح ہوگیا کہ ان آیات میں تأنیس' تخویف اور استلطاف یعنی تینوں بات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی مقصود تھا کہ چند ممنوع چیزوں کے کرنے سے ڈرایا جائے لیکن خطاب میں انسیت اور لطافت پیدا کر کے مخاطب کو ان چیزوں کے کرنے سے رو کے جانے پر ابھارا جارہا ہے۔ لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر یہی اسلوب ایسی جگہ پر ہو جہاں نہ ہی انسیت مراد ہو اور نہ ہی اظہار لطف وکرم تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا؟ جیسے یہ آیت:

﴿وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦﴾ (الملك)

''اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے' اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔''

جواباً عرض ہے کہ سورۃ الفتح اور سورۃ الحشر کی آیات میں صرف مدح ہی مدح ہے' وہاں کسی ڈراوے کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی انسیت پیدا کرنے کا کوئی سبب موجود ہے جیسا کہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں پایا جاتا ہے۔

ملاحظہ کریں کہ سورۃ الفتح کی آیت میں وہ لوگ مذکور ہیں جو اس امت کے جلیل القدر اور عظیم الشان لوگوں میں سے ہیں' اور ان کی خصوصیات کی بنا پر ان کی تعریف اور توصیف ہی مناسب تھی' اور یہی کیفیت سورۃ الحشر کی آیت کی ہے کہ وہاں بھی مہاجرین اور انصار کا ذکر ہے' ان کے اچھے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے اور سورۃ المائدۃ کی آیت کے برعکس وہاں کسی منفی صفت کا تذکرہ نہیں ہے کہ جس کی بنا پر عذاب سے ڈرانے کا بھی ذکر ہوتا۔ فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝٨﴾ (الحشر)

''اور (مالِ فے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور ممتلکات سے نکالے گئے اور وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار تھے' اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے تھے' اور وہ لوگ راست باز تھے۔''

[نوٹ: مصنف نے چند سطور قبل جو سوال اٹھایا تھا' غالباً اس کا جواب دینا بھول گئے' اس لیے کتاب کے حاشیے پر بھی یہ بات درج ہے: **لعله بقي هنا كلام** ''شاید یہاں کچھ کلام ابھی بھی باقی ہے''۔ مترجم کتاب مصنف کے منہج کی روشنی میں سورۃ الملک کی مذکورہ آیت کی توجیہ یوں کرسکتا ہے کہ سورۃ الملک کے آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مظاہر کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جیسے اللہ کی بادشاہت' موت وحیات کا خالق ہونا' سات آسمانوں کا بے عیب بنانا' آسمان کو ستاروں سے مزین کرنا وغیرہ۔ اور پھر اس کے بعد دو گروہوں کا تذکرہ ہے' ایک وہ جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا' اور ان کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا: ﴿وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦﴾ (الملك) اور پھر ان کے انجام کے ذکر کے بعد اہل ایمان کا تذکرہ کیا اور وہ بھی ''رب'' کے ذکر کے ساتھ۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝١٢﴾ (الملك) ''اور جو لوگ اپنے رب سے حالت غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے''۔ گویا یہاں دو گروہوں کا تقابل ہے' ایک وہ جس نے اللہ کے آثارِ ربوبیت کو دیکھنے کے باوجود اس کا انکار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا اور دوسرا وہ جو اس امتحان میں پورا اترا تو اجرِ عظیم کا مستحق ٹھہرا' واللہ اعلم!]

(۸۰) آیت ۲:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ﴾

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو' اس لیے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا۔''

اور آیت ۸ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ﴾

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف کرنے سے نہ روکے۔''

دونوں آیتوں میں اچھے اخلاق پر ابھارا گیا ہے۔ اہل مکہ کی طرف سے حدیبیہ کے سال اصحابِ رسول ﷺ کو عمرے سے منع کیا جانا' مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنا' یہ وہ جرائم تھے جن کی بنا پر ان سے نفرت کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا' اس لیے فتح مکہ کے بعد اہل ایمان کو وصیت کی جا رہی ہے کہ وہ انتقام کا رویہ نہ اپنائیں بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں' جو لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں انہیں گلے لگائیں اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کریں۔ اب دونوں آیات کا موضوع ایک ہی ہے لیکن پہلی آیت میں ''اَنْ تَعْتَدُوْا'' کے الفاظ ہیں اور دوسری آیت میں ''عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا'' کے الفاظ ہیں' اور ظاہر ہے کہ زیادتی کرنا' عدل نہ کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواباً عرض ہے کہ (واللہ اعلم) پہلی آیت میں اس سبب کا صراحتاً بیان ہوا ہے جو ایک شخص کو زیادتی کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے' یعنی یہ کہ کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے سال انہیں بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا تھا' اور یہاں چونکہ نفرت و عداوت کے سبب کا صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے اس لیے مناسب تھا کہ انہیں یہ وصیت کی جاتی کہ گو برائی کا بدلہ برائی سے دینا جائز ہے لیکن ایمان کا اعلیٰ درجہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ انتقام کی راہ نہ اپنائیں' کسی بھی زیادتی کا خیال دل میں نہ لائیں۔ اس کے مقابلے میں دوسری آیت سے پہلے ایسے کسی جرم کا ذکر نہیں ہے' بلکہ وہاں تو اس آیت سے قبل عدل پر قائم رہنے اور اللہ کے لیے گواہی دینے کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔''

اب یہاں جب عدل و انصاف کا حکم دیا جا رہا ہے تو مناسب یہی تھا کہ یوں کہا جاتا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل نہ کرنے پر نہ اُبھارے۔ اور یوں واضح ہو گیا کہ ہر دو الفاظ اپنی اپنی جگہ پر بالکل مناسب ہیں' اور اگر اس کا الٹ ہوتا تو مناسب نہ ہوتا' واللہ اعلم!

❁❁❁

© rasailojaraid.com